ڈاکٹر سمیرا اعجاز
ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو، یونیورسٹی آف سرگودھا

Dr. Sumaira Ijaz
Associate Professor Dept. of Urdu, University of Sargodha

اردو مثنوی: فطرت کا شعری کلامیہ

Urdu Masnavi: The poetic discourse of nature

Abstract: The effects of nature in Urdu Masnavi have emerged as an important literary and intellectual trend. It is not only a means of visualization but also a means of stimulating the reader's passion and imagination. The "effects" of nature in Urdu Masnavi not only enhance the aesthetic and linguistic beauty, but also give depth to the atmosphere, emotions and philosophy of the story. The relationship with nature in Urdu Masnavi is sometimes seen in terms of enjoyment, sometimes as a metaphor of nature as a background to evoke the scene, sometimes as a depiction of scenes, sometimes as a symbol of beauty, sometimes as a narrative of awe, sometimes to express sympathy or to arouse sympathy, sometimes to express internal emotions, sometimes to highlight contradictions and sometimes to create color in a metaphorical and allegorical style. This article presents a study of these aspects of nature in Urdu Masnavi.

Keywords: Masnavi, Poetic Discourse, Sympathy, Background, Emotions

سوال یہ ہے کہ انسان فطرت کی عظیم الشان وسعت کا ایک ادنٰی جزو ہے یا اس کا حریف؟ فاتح ہے یا غلام؟ آقا ہے یا پرستار؟ یا اپنی اصل اور کائنات کے خالق تک پہنچنے کا ایک وسیلہ؟ یہ فلسفیانہ بحث مذاہب نے بھی چھیڑی اور حکمانے بھی اس پر اظہار کیا۔ فطرت کی جانب انسان کا رویہ ابتدائے آفرینش سے ہی بدلتا رہا ہے۔ یہ رویہ کبھی حیرت سے تکنے اور سمجھنے کی جستجو کی طرف مائل کرتا ہے تو کبھی فطرت کی ہیبت اسے خوف میں مبتلا کرتی ہے اور کبھی فطرت کے استعاروں سے محبت کا رویہ اپناتا ہے۔ علم و آگہی نے خوف اور حیرت کو محبت و افادیت میں بدل دیا تو کبھی نفسیاتی کیفیات خوف میں مبتلا کرتی ہیں۔ کبھی بیزاری اور وجودی بیگانگیت غلبہ پاتی ہے تو کبھی انسان فطرت پرست بن کے سامنے آتا ہے۔ کہیں سماجی جبر اسے فطرت کے قریب کرتا ہے اور کبھی یہی جبر اسے خوف اور آسیبی استعارے کے روپ میں ملتا ہے۔ ہر حالت میں ذہنی، جسمانی اور جذباتی طور پر انسان کی جڑت، فطرت سے استوار ہو جاتی ہے۔ کلاسیکی اور جدید شاعری نے اپنے عہد کی سماجی، سیاسی، نفسیاتی اور معاشی صورت حال کے تناظر میں فطرت کو جذب کیا ہے اور اس کے مطابق اس کا اظہار بھی کیا ہے۔ شاعری کی دیگر اصناف کی نسبت مثنوی اپنی الگ شناخت، انداز اور اسلوب رکھتی ہے۔ یہ ایسی صنف ہے جو فطرت اور فطرت کے انداز و اطوار کو اپنے اندر جذب کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ ڈاکٹر گیان چند جین نے مناظر فطرت کے جمالیاتی اظہار کے مختلف پیرایوں کا اظہار یوں کیا ہے:

"طویل مثنویوں میں بعض مقامات پر مناظر فطرت کا بیان جمالیاتی ضو کو تیز تر بنا دیتا ہے۔ منظر نگاری میں کسی مقام کا فطری حسن یا ویرانی پیش کی جاتی ہے۔ مثلاً باغ، راغ، کوہسار، ریگ زار

وغیرہ یا بعض موثر اوقات کی تصویر کشی کی جاتی ہے مثلاً صبح وشام، چاندنی رات، دوپہر کی گرمی کڑاکے کی سردی۔ افسانوی یا تاریخی مثنویوں میں چند ایسے مقامات ضرور آتے ہیں۔ جہاں مناظر فطرت کا بیان ہوتا ہے۔ اگر یہ بیانات پر لطف اور شاعرانہ ہوں تو ان سے نظم کا مرتبہ بہت بلند ہو جاتا ہے۔"(۱)

اردو مثنوی محض داستان گوئی یا عشقیہ بیان تک محدود نہیں بلکہ اس میں فطرت ایک جاندار اور متحرک کردار کا روپ دھار لیتی ہے۔ فطرت کے مظاہر جیسے دریا، چاند، پھول، پھل، پرند، چرند، موسم اور حشرات لارض مثنوی کے متن میں صرف منظر کشی کے عناصر نہیں بلکہ وہ جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے قاری سے معنوی مکالمہ قائم کرتے ہیں جس میں لفظ، منظر اور معنی ایک وحدت تشکیل دیتے ہیں۔ اس نظم شدہ کائناتی تمثال میں فطرت خود ایک شعری کردار بن کر انسان اور فطرت کے انسلاک کا اظہاریہ بنتی ہے۔

فطرت سے تعلق کبھی لطف اندوزی کے حوالے سے، کبھی منظر کو ابھارنے کے لیے پس منظر کے طور پر، فطرت کے استعارے کے طور پر، کبھی مناظر کی تصویر کشی، کبھی حسن کی علامت، کبھی ہیبت کی داستان کے بیان، کبھی ہمدردی کے اظہار یا ہمدردی کی کشید کے لیے، کبھی داخلی جذبات کے اظہار، کبھی تضاد کو اجاگر کرنے کے لیے تو کبھی تشبیہاتی واستعاراتی اسلوب میں رنگ پیدا کرنے کے لیے نظر آتا ہے۔ مثنوی کی بنیاد قصے پر ہوتی ہے اور قصے میں دلچسپی برقرار رکھنے کے لیے متخیلہ اور مشاہدے کے زور پر فطرت کی پیش کش کی جاتی ہے۔ قلی قطب شاہ کو فطرت کا شاعر کہا جاتا ہے۔ انھوں نے برسات کے موضوع پر ۱۳ نظمیں لکھیں۔

انسانی جذبات کے اظہار کے رنگوں میں شدت پیدا کرنے کے لیے مثنویوں میں فطرت کی پیش کش کی جاتی ہے یعنی جذبات نگاری فطرت کے استعاروں کے ساتھ ملتی ہے جہاں مثنوی کے کردار دکھی نہیں ہوتے وہیں فطرت بھی کرب میں مبتلا ہوتی ہے۔ مثال کے طور پہ غواصی کی مثنوی "سیف الملوک وبدیع الجمال" میں سیف الملوک کے غم زدہ ہونے پر جنگل کے پرندے اور جانور بھی غم زدہ نظر آتے ہیں۔ اسی طرح میر حسن کی مثنوی "سحر البیان" میں جب ماہ رخ پری شہزادہ بے نظیر کو اٹھا کر لے جاتی ہے تو فطرت اداس نظر آتی ہے۔ نہال خشک اور زرد ہو جاتے ہیں۔ بلبل کا ترانے سے جی اٹھ جاتا ہے اور گلوں کا جگر درد سے پھٹ جاتا ہے۔ حسرت دہلوی کی مثنوی "طوطی نامہ" میں جب طوطی کا شوہر قتل ہو جاتا ہے تو فطرت اداس اور غمگین ہو جاتی ہے۔ باغ میں اداسی کی تمثال میں مرجھاتے دم توڑتے پتے، فریاد کرتے مور، روتی آبشاریں اور اداس بلبلیں اور قمریاں جذباتی شدت پیدا کرتی ہیں۔ طوطی اور فطرت کے کرب کی مرکب تصویر ملاحظہ ہو:

باغ میں ہر طرف اداسی تھی
جس کو دیکھو تو بے حواسی تھی
پات مرجھائے پھول کمھلائے
بے بری اپنی نخل دکھلائے
کبھی فریاد آ کے کرتے مور
روتیں گہہ آبشاریں کر کے شور
بلبلوں سے کبھی تھا اس کا خطاب

قمریوں سے کبھی تھا غم کا جواب (۲)

اردو مثنویوں میں فطرت کا پس منظر بیک وقت حسن و لطف کشید کرنے کے ساتھ ہیبت ناکی کے عنصر کو نمایاں کرنے کے لیے لایا جاتا ہے۔ فطری مناظر سے لطف کشید کرنے کے حوالے سے بے نظیر شاہ وارثی نے بہت سی مثنویاں لکھیں۔ ان میں "صبح بنارس"، "صبح عید"، "بہار صبح" اور "شام" شامل ہیں۔ عشقیہ مثنویوں میں مبالغے سے کام لیتے ہوئے فطرت اور محبوب کے حسن کو ملا دیا جاتا رہا ہے۔ بعض اوقات مبالغے کے ذریعے محبوب کے حسن کے مقابل فطرت کو ہیچ دکھایا جاتا ہے۔ مثلاً غواصی کی مثنوی "سیف الملوک و بدیع الجمال" میں جب بدیع الجمال کے حسن کا تقابل فطرت سے ہوتا ہے تو محبوب زیادہ حسین نظر آتا ہے۔ حور کے او تار بدیع الجمال کے چہرے کے نور کے سامنے ستاروں کا نور ماند پڑ جاتا ہے۔ کلیاں اپنے گریبان چاک کر لیتی ہیں۔ اس کے نینوں کی خوب صورتی کو دیکھ کر نرگس کے پھول اپنے ہوش کھو دیتے ہیں۔ پیچاں زلفیں ایسی حسین ہیں کہ سنبل ان کے سامنے بے معنی ہیں۔ اس گل اندام کے سامنے پون بھی بھنورے کی صورت اس کا طواف کرتی ہے۔ بدیع الجمال کے حسن کے بیان اور فطرت کے انسلاک کی تصویر ملاحظہ ہو:

ستارے دیکھ اس کا نچھل نور سب
لئے ہات شرمندہ ہو چور سب
کلیاں سب چمن کے دیکھ اس بھان کوں
کیاں چاک اپنے گریبان کوں
دیکھ اس کے نین بن کے نرگس تمام
ہوے ہوش لڑتے تھے کھس کھس تمام
دیکھت اس کے پیچان بھرے کنڈلاں
سب آئے تھے کل بر زمین سنبلاں
پون اس گل اندام کی خاص باس
بھنورا ہو کہ پھرتا اچھے آس پاس
کہ دونار او تار کچ حور تھی
نہ کچ حور دو عین سمدور تھی (۳)

میر حسن نے "سحر البیان" میں چاندنی رات میں جنگل کی کیفیات کو سحر آفریں بنا دیا ہے۔ مثنویوں میں فطرت بہ طور ہمدرد بھی نظر آتی ہے جو انسان اور فطرت کے درمیان تعلق کو قائم کرتی ہے۔ مثنوی نگاروں نے بعض اوقات انسان کو فطرت کا ہمدرد بنا کر پیش کیا ہے تو کہیں فطرت انسان کی ہمدرد بن کے کھڑی نظر آتی ہے۔ مثال کے طور پہ ابن نشاطی کی مثنوی "پھول بن" میں انسان پرندوں کے دکھ کو سمجھتا ہے۔ مثنوی ایک بلبل کے گرد گھومتی ہے جو قید میں ہے اور اداس ہے۔ اس قید بلبل کو جب بادشاہ کے سامنے لایا جاتا ہے اور وہ رو رہی ہوتی ہے ایسے میں بادشاہ بڑی تشویش میں مبتلا ہوتا ہے اور اس تشویش میں وہ بلبل کے رونے کا سبب پوچھتا ہے تو یہاں انسان کے دیگر مخلوقات سے ہمدردی کا عنصر ملتا ہے۔ سید محمد عقیل اردو مثنوی میں فطرت کے بہ طور پس منظری اظہار کے بارے لکھتے ہیں:

"سب سے بڑا مصرف نیچر شاعری کا اردو میں ہوا ہے وہ پس منظر کے لیے ہوا ہے۔ مرثیوں میں خصوصا اس پس منظر سے بڑا سہارا ملتا ہے۔۔۔ مثنوی نگار شعرا نے پس منظر کے لیے نیچر سے بڑا کام لیا ہے۔ یہ پس منظر عام طور سے کسی خوشی کے لیے یا کسی نئے ہونے والے واقعے کے لیے بنایا جاتا ہے۔ جب کوئی شہزادہ بڑا ہوتا ہے تو اس کے لیے ایک باغ بنایا جاتا ہے۔ اس کی تزئین میں ساری منظر نگاری صرف کی جاتی ہے اور یہ منظر نگاری اور باغ، کسی عشق کی ابتدا کے لیے پس منظر کام دیتے ہیں۔ پھر ایسے سماں میں کسی ایک رات کو ہیرو جو عشق کی خوش گوار منزلیں طے کرتا ہوتا ہے۔ پریوں کے ذریعے اٹھالے جایا جاتا ہے تو وہی پس منظر جو ابھی عشق کی ابتدا کے لیے استعمال ہو رہا تھا یک بارگی المناک واقعات میں ڈوب جاتا ہے۔"(۴)

اردو مثنویوں میں فطرت کا ہیبت ناک اور تکلیف دہ پہلو بھی نظر آتا ہے۔ برسات کا موسم ایک موسمیاتی مظہر ہے۔ اس کا خوب صورتی کے ساتھ بھی تعلق ہے لیکن یہی موسم تیسری دنیا کے باسیوں کے لیے کسی چیلنج سے کم نہیں ہوتا۔ سیلاب کی تباہ کاریوں اور پھسلن کا بیان بھی مثنویوں کا موضوع بنتا ہے۔ مثلاً ولی دکنی کی مثنوی "بوستان خیال" میں سیلاب کی تباہ کاریوں کا بیان ہے۔ میر کی مثنویوں "نسنگ نامہ"ا، "در مذمت برشغال اور "مینہ کی طغیانی" میں بھی برسات کی تباہ کاریوں اور مشکلات کو موضوع بنایا ہے۔ سودا اپنی مثنوی "زمستاں" میں سردی کی شدت کا بیان کرتے ہوئے نہ صرف سردی سے خود کانپتے ہیں بلکہ سورج کی تجسیم کرتے ہوئے اسے بھی کپکپاتا ہوا پیش کرتے ہیں۔ برسات کے انسانوں کے علاوہ دیگر مخلوقات پر بھی منفی اثرات کو بھی موضوع بنایا گیا ہے اور یوں فطرت ہیبت، خوف اور تخریب کا استعارہ بن جاتی ہے مرزا رفیع سودا کی ایک مثنوی "دربیان شدت گرما" میں بھی گرمی کی شدت کا بیان کرتے ہوئے فطرت کی ہیبت ناکی کو پیش کیا گیا ہے۔ درج ذیل شعری اقتباس میں موسم گرما کی شدت میں بھیک مانگتا ایک بے کس فقیر لگی کو بجھانے کی استدعا کرتا ہے۔ دوپہر کی جلتی دھوپ میں چیلیں اپنے انڈے تک چوڑ کر بھاگ جاتی ہیں، فرشتوں کے پر جلنے لگتے ہیں اور اس وحشت انگیز گرمی میں تمام مخلوقات اللہ کے عذاب سے پناہ مانگتی ہیں:

بھیک مانگے ہے شہر میں جو فقیر
دم بہ دم اس کی ہے یہی تقریر
کوئی بندہ خدا کا ایسا آئے
مجھ سے بے کس کی اب لگی کو بجھائے
ٹھیک ہوتی ہے جس گھڑی دوپہر
لگے ہے دہر دہر جلنے دہر
چیلیں کیا انڈے چھوڑ بھاگیں ہیں
پر فرشتوں کے جلنے لاگیں ہیں
مہر ماتھے پہ اپنے پنجہ دہر
کرے ذرات پر جہاں کے نظر

غرض ایسی ہی دھوپ پڑتی ہے سخت
جن و انسان و وحش و طیر و درخت
ہاتھ اٹھا کر کہیں ہیں مثل چنار
وقنا ربنا عذاب النار (۵)

مصحفی کی مثنویاں "گرما" اور "ہجو مکان" بھی موسم گرما کی ایسی ہی تمثالوں کی پیش کش کرتی ہیں۔ بے نظیر شاہ کی مثنوی "برسات" میں آموں کے اشجار، جنگل کے جانوروں اور پرندوں پر برسات کے اثرات دکھائے گئے ہیں کہ کس طرح یہ موسم ان مخلوقات کے لیے امتحان بن جاتے ہیں۔

جانوروں اور پرندوں کا ذکر بھی اردو مثنویوں کا موضوع بنتا ہے۔ یہ بیان بھی کہیں انسان کے لیے من موہنا تاثر پیش کرتا ہے تو کہیں انسان کے لیے کسی مصیبت اور آزار سے کم نہیں۔ مثال کے طور پہ میر کی مثنوی "من موہنی بلی" میں بلی کا ذکر محبت کے جذبے کے بیان کا وسیلہ بنتا ہے:

ایک بلی موہنی تھا اس کا نام
ان نے میرے گھر کیا آکر مقام
ایک دوسے ہو گئی الفت گزیں
کم بہت جانے لگی اٹھ کر کہیں
ربط پھر پیدا کیا میرے بھی ساتھ
دیکھتی رہنے لگی میرا ہی ہاتھ
برسوں یاد آوے گی یہ پاکیزہ خو
آگے آئی ہی نہیں چلتے کبھو (٦)

میر تقی میر کی مثنویوں "مثنوی در تعریف سگ و گربہ"، "در تعریف مادہ سگ"، "در بیان بز"، "بکری" وغیرہ بھی اسی طرح کے جانوروں اور پرندوں کے بیان پر مبنی ہیں۔ انشاء اللہ انشاء کی "ہاتھی کی شادی" میں ہاتھی کا ذکر محبت کے انداز میں کیا گیا ہے۔ ہاتھی کو انسان کی طبع لطیف کا عکاس دکھایا گیا ہے۔ کچھ مثنویوں میں یہ جانور اور پرندے انسان کو تکلیف اور اذیت پہنچاتے بھی دکھائے گئے ہیں۔ بے نظیر شاہ کی مثنوی "اژدر نامہ" میں اژدر کی ہیبت ناکی کا بیان ہے۔ انشاء اللہ خاں انشاء کی مثنوی "در ہجو زنبور" میں بھڑوں کی طاقت اور انسانوں کی تکلیف کو موضوع بنایا گیا ہے۔ مثنوی "در ہجو پشہ" میں مچھروں کی تکلیف دہ خصلت کو موضوع بنایا ہے۔ مصحفی کی مثنوی "در ہجو مکان" میں حشرات الارض کی موجودگی کو انسان کے لیے تکلیف دہ بتایا گیا ہے۔

بعض مثنویاں ایسی ہیں جن میں انسان کا وجود فطرت کے لیے خوف، ہیبت اور ظلم کی علامت بنتا ہے۔ یہاں فطرت انسان کی سفاکی کے سامنے خاموش اور بے بس نظر آتی ہے۔ مثلاً مثنوی کی فارم میں لکھے شکار ناموں کی روایت اس حوالے سے اہم ہے۔ میر کی مثنوی "شکار نامہ" میں جنگل کی تمثالیں پیش کی گئی ہیں۔ اس مثنوی کا لینڈ اسکیپ، جانوروں کی ہلچل اور خوف و بے چینی کے جذبات سے رچا ہے۔ میر کے شکار ناموں میں جانور شکاریوں کے خوف سے بھاگتے پھرتے ہیں۔ میر کی مثنوی "مور نامہ" میں بھی پرندے خاموش اور بے زبان دکھائی دیتے ہیں۔ سودا کی مثنوی "در

تعریف شکار کردن نواب آصف الدولہ "میں جنگلی جانوروں کی کیفیت صاف دکھائی پڑتی ہے۔ ولی دکنی کی مثنوی "تعریف در شہر سورت" ایک مختلف صورت پیش کرتی ہے جہاں انسانی ہیبت کا فطرت پر اثر دکھائی دیتا ہے اور مصنوعی خوب صورتی، فطری خوب صورتی سے بڑھ جاتی ہے:

اہے سورت، حقیقت کی نشانی
کہ ہیں وہاں معمور اہل معانی
شرافت میں یہ ہے جیوں باب مکہ
تو ہے سب ملک پر اس کا جو سکہ
اگر دیکھے ہیں لوگاں شام و تبریز
نہ دیکھا کوئی ایسا ملک زرخیز
بھری ہے سیرت وصورت سوں سورت
ہر اک صورت ہے وہاں انمول مورت
ختم ہے امرداں اوپر صفائی
ولے ہے بیشتر حسن نسائی
کشن کی گوپیاں کی نئیں ہے یہ نسل
اہیں سب گوپیاں وہ نقل، یہ اصل (۷)

بعض مثنوی نگاروں نے مثنوی کی طلسماتی فضا قائم کرنے کے لیے فطرت کی تجسیم سے بھی کام لیا ہے۔۔ یہاں پرندے انسانی افعال کرتے اور پھول و پھل انسانی جذبات کی پیش کش کرتے نظر آتے ہیں۔ مثال کے طور پر ملا وجہی کی مثنوی "قطب مشتری" میں پرندے انسانی حرکات و سکنات کرتے نظر آتے ہیں۔ سودا کی مثنوی "موسم بہار" میں داودی، نرگس اور سوسن کو انسانی پیکر بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ اسی طرح "گلزار نسیم" میں دیا شنکر نسیم نے بھی پھولوں کی حرکات و سکنات اور گفتگو انسانی بنیادوں پر ترتیب دی ہے۔

موسیقی اور فنون لطیفہ فطرت پر وجد کا سا اثر طاری کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر میر حسن کی مثنوی: سحر البیان" میں حسن بائی کے گانے کے منظر کا بیان فطرت کی شمولیت کے ساتھ امر ہو جاتا ہے۔ جب وہ یہ کہتے ہیں کہ حسن بائی کا گانا سن کر جنگل میں سارے چرند پرند محو ہو جاتے ہیں، درخت وجد میں آجاتے ہیں۔ قمریاں، نعرہ زن ہوتی ہیں، درختوں سے جانور گرنے لگتے ہیں اور نہر کا پانی فوارے کی طرح اچھلنے لگتا ہے۔ بصری، سمعی اور حرکی امیجز سے مرتب شعری تمثال ملاحظہ ہو:

وہ گانے کا عالم، وہ حسن بتاں
وہ گلشن کی خوبی، وہ ان کا سماں
لگے ہلنے آ وجد میں سب درخت
کھڑے رہ گئے سرو ہو کر کرخت
درختوں سے گرنے لگے جانور

بنے مثل آئینہ دیوار و در
ہوئیں قمریاں شوق سے نعرہ زن
بھرا اشک سے بلبلوں کے چمن
عجب راگ کو بھی دیا ہے اثر
کہ ہو جائے پتھر کا پانی جگر (۸)

اردو مثنوی گو شعرا نے جانوروں اور پرندوں کی پیش کش میں، ان کی زبان اور حرکات و سکنات پر خاص توجہ دی ہے۔ مثلاً وجدی کی مثنوی "پنچھی باچھا"، شروع سے لے کر آخر تک پرندوں کی زبان اور ان کی حرکات و سکنات کو پیش کش کرتی ہے۔ ان پرندوں میں ہدہد، کبک، دراج، بلبل اور بٹیر وغیرہ شامل ہیں۔ میر تقی میر کی مثنوی "مور نامہ" بھی مور کی زبانی گفتگو پر مبنی ہے۔

اردو مثنوی میں فطرت کا بیان جہاں پھولوں، پھلوں، موسموں، جانوروں پرندوں، صبح و شام کے مناظر کی پیش کش کے حوالے سے نظر آتا ہے وہیں مثنوی گو شعرا کے ہاں تشبیہاتی و استعاراتی اسلوب اور تخلیقی وفور اس میں رچ بس جاتا ہے تو ہمیں مثنوی کی فضا ایک خوف ناک صورت حال سے دوچار کر دیتی ہے۔ اس میں بنیادی کردار فطرت کے عناصر کا ہے۔ مثال کے طور پر غواصی کی مثنوی "سیف الملوک و بدیع الجمال" میں شاعر صبح کی آمد کا ذکر تدریجی اور منطقی انداز میں کرتا ہے جس میں ستارے ڈوب رہے ہیں، پرندوں کا شور ہے اور سورج کو عرش کا مرغ قرار دیتے ہیں، تو یہاں پر فطرت کے وہ عناصر جو صبح کی آمد کے منظر کو حسین بنا دیتے ہیں ان سب کا ذکر سحر آفریں نظر آتا ہے۔ اسی طرح واجد علی شاہ کی مثنوی "بحر الفت" میں عیش باغ کی فضابندی میں فطرت کی پیش کش دیدنی ہے جس میں فطرت کا بیان مبالغے اور مشاہدے کی ملی جلی فضا کو نمایاں کرتا ہے۔ زمین مشک خاص بنی ہوئی ہے، گھاس کی جگہ کرن جمی ہوئی ہے اور شجر جواہر نگار بنے ہوئے ہیں۔ شعری مثال ملاحظہ ہو:

ابر ہے عیش باغ ہے ساقی
وقت دور ایاغ ہے ساقی
دل کو لہرا رہی ہے موتی جھیل
آب گوہر ہے آب بے تاویل
آج تو دن ہے بادہ خواری کا
یہی موسم ہے تیری یاری کا
رنگ لائی ہے فصل بہار
گل تو کیا؟ عکس گل سے سرخ ہیں خار
لب گل پر ہے قہر کی لالی
چشم نرگس غضب ہے متوالی
زلف سنبل میں روغن گل ہے
شانہ کش بال و پر سے بلبل ہے (۹)

اسی طرح سہانی شام اور جنگلوں میں در آئی چاندنی رات کے منظر کو بھی بہت سے شعرانے دلکش انداز میں پیش کیا ہے۔ سراج اورنگ آبادی کی مثنوی "بوستان خیال"، میر حسن کی "سحر البیان" اس حوالے سے اہم ہیں۔ اردو مثنویوں میں پھلوں کا تذکرہ بھی بہ کثرت ملتا ہے۔ ہاشمی بیجاپوری کی مثنوی "یوسف زلیخا" میں پھولوں اور پھلوں کا یک جامنظر پیش کیا گیا ہے جس میں چمپا، سیوتی، موگرہ، انگور، انار، انجیر، سیب، اناس، اخروٹ، بادام، پستہ، چلغوزے وغیرہ سب کو نفیس اور شیریں قرار دیا ہے۔ نہروں، آبشاروں اور پہاڑوں کا بھی منظر خوب جمتا ہے۔ علی سردار جعفری نے تو اپنی مثنوی "جمہور" میں ہمالہ کی پہاڑیوں کو گل پوش شہزادیاں کہہ کے مخاطب کیا ہے۔ مثنوی نگار قدرت کی ہر چیز سے لگاؤ اور محبت رکھتے ہیں اور ماحول کو پیش کرتے ہیں۔ وہ جنگلوں کے ساتھ ساتھ باغوں کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ قلی قطب شاہ کی "باغ محمد شاہی"، سراج اورنگ آبادی کی مثنوی "بوستان خیال"، میر حسن کی "سحر البیان" میں شہزادہ بے نظر اور بدر منیر کا باغ، واجد علی شاہ کی مثنوی "دریائے تعشق" کا باغ، " اور "گلزار نسیم" میں بکاولی کا باغ، حقیقی باغات کا دلفریب منظر نمایاں کرتے ہیں۔ واجد علی شاہ کی ایک مثنوی "جلوہء اختر" میں قیصر باغ کا نقشہ پیش ہوا ہے جس میں تخیل اور مبالغے سے کام لیتے ہوئے فطرت کی پر اثر تمثال پیش کی گئی ہے۔

اردو مثنویوں میں فطرت کی پیش کش محض مناظر کی عکاسی تک محدود نہیں بلکہ ایک فطری، جذباتی اور علامتی کلامیہ ہے جو جمالیاتی حظ کے ساتھ ساتھ محبت، روحانیت اور انسانیت کے پیراڈائم سے منسلک ہو کر شعری اظہار کو موثر روپ دیتا ہے یوں فطرت کے رنگ، خوشبو، آوازیں اور مناظر مثنوی کے بیانیے کو دلکش بناتے ہیں جہاں حسن، جذبات اور معنی ایک ساتھ سانس لیتے ہیں۔ فطرت اردو مثنوی کا ایک لازمہ ہے جو اس صنف سخن کی قدر و قیمت میں بے پناہ اضافہ کرتی ہے اور اس وسیلے سے انسان کا فطرت کے ساتھ خوشی، حیرت، خوف اور ہیبت جیسا ازلی انسلاک بھی موضوع بحث بنتا ہے۔

حوالہ جات

۱. گیان چند جین۔ اردو مثنوی شمالی ہند میں۔ علی گڑھ: انجمن ترقی اردو، ۱۹۶۹ء۔ ص ۸۳

۲. حسرت دہلوی۔ طوطی نامہ۔ (مرتبہ) نور الحسن ہاشمی۔ لکھنؤ: مکتبہ کلیاں، ۱۹۶۱ء۔ ص ۷۵

۳. غواصی۔ سیف الملوک وبدیع الجمال۔ (مرتبہ) سعادت علی رضوی۔ حیدر آباد دکن: سلسلہ آصفیہ، ۱۹۲۸ء۔ ص ۱۲۷

۴. سید محمد عقیل۔ اردو مثنوی کا ارتقا شمالی ہند میں۔ لکھنؤ: اتر پردیش اردو اکادمی، ۲۰۰۹ء۔ ص ۳۲۸

۵. مرزا رفیع سودا۔ کلیات سودا (جلد سوم)۔ (مرتبہ) ڈاکٹر شمس الدین صدیقی۔ لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۸۴ء۔ ص ۸۳

۶. میر تقی میر۔ مثنویات میر۔ (مرتبہ) سید محمد۔ حیدر آباد دکن: مکتبہ ابراہیمیہ، ۱۹۲۳ء۔ ص ۱۹۷

۷. ولی دکنی۔ کلیات ولی۔ (مرتبہ) نور الحسن ہاشمی۔ لکھنؤ: اتر پردیش اردو اکادمی، ۱۹۸۹ء۔ ص ۳۷۷۔۳۷۸

۸. میر حسن۔ سحر البیان۔ لکھنؤ: اتر پردیش اردو اکادمی، ۱۹۹۵۔ ص ۱۴۷

۹. واجد علی شاہ۔ انتخاب واجد علی شاہ اختر۔ (مرتبہ) کوکب قدر سجاد علی میرزا۔ لکھنؤ: اتر پردیش اردو اکادمی، ۱۹۸۴ء۔ ص ۳۶